

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ان اوراق میں کسی موضوع پر بات چھیڑنے سے قبل گذشتہ اشاعت کے ایک بہت بڑے سہوہ کا اعتراف ضروری ہے۔ الفرقان الکتب کی اشاعت دسمبر سے جو مضمون اس میں نقل ہوا تھا اس کے اجزائیں سے درحقیقت میرے پیش نظر صرف اسلامی دستور اور اسلامی حکمرانی کی بحث تھی۔ اور اس سے قلی اتفاق نہ رکھتے ہوئے حصولِ عبرت کے لئے اہل پاکستان کے سامنے رکھا گیا۔ لیکن میں چونکہ بعض ذاتی و نجی اسباب کے تحت پچھلے دنوں بہت پریشان تھا اور کام ایک جگہ متکثر رہنے کے بجائے مختلف اطراف میں منتشر رہا۔ نیز سارے مواد کو اچھی طرح دیکھنے اور بطور خود کامیوں کی نظر ثانی کرنے اور تمام پردہ دیکھنے کا موقع میں نہیں پاسکا اس لئے مذکورہ بالا مضمون کی وہ چند آخری سطریں بھی سہوہاً شریک اشاعت ہو گئیں جن میں ہمارے ملک کی ایک صاحب منصب شخصیت کے بارے میں نلمزوں ریکارڈس موجود تھے۔ اشاعت کے بعد جب یہ مقام دیکھا تو اپنے مقامِ دعوت کا لحاظ کرتے ہوئے خالص دینی و اخلاقی نقطہ نظر سے مجھے اس سہوہ پر بہت افسوس ہوا۔ اب اس کے سوا غلطی کی کوئی اور صورت نہیں ہے کہ متعلقہ شخصیت سے نہ صرف اس کے منصب کی وجہ سے بلکہ رشتہ اسلام اور رشتہ انسانیت کا احترام کرتے ہوئے میں انہی اوراق میں معذرت خواہ ہوں (مرتب)

ہمارا وہ جدید ذہن و کردار جسے ایک صدی کی انگریزی تعلیم و تربیت نے زندگی کی کارفرمائی کے لئے تیار کیا تھا۔ قدرتی طور پر قوم کی امیدیں اس سے وابستہ ہونی چاہئیں نہیں چنانچہ یہی جدید ذہن و کردار تحریک پاکستان

کامیاب بننا اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکستان کی عظیم الشان سلطنت برعظیم ہند کے مسلمانوں کو عطا ہوئی تو اس کی قیادت و امامت کی ذمہ داریاں اسی کے کندھوں پر ڈالی گئیں۔ اس زندگی بخش آیت یا جوہی رکھنے والی اور قدرتی ذرائع و وسائل سے مالا مال مملکت پر جدید ذہن و کردار کو گذشتہ ساڑھے ساٹھ برس بلا شرکتِ غیر سے اپنا سکھ چلائے کا موقع ملا۔ عزم و ہمت رکھنے والی کسی باختیار طاقت کے لئے یہ زمانہ اپنی قیمتی صلاحیتوں کو بروئے کار لے آنے کے لحاظ سے کم ہرگز نہیں ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی تھی کہ ہمارے بھلے اور برے اور ہمارے سپید و سیاہ کے کلی اختیارات جس طبقے کے ہاتھ میں تقدیر الہی نے سونپ رکھے تھے اس کے ہاتھوں سے نہ قوم کو اپنے نظریات و معتقدات کے مطابق آزادی کا دستور مل سکا، نہ جمہوریت کی قدروں کی آبیاری ہو سکی، نہ شہری حقوق سلامت رہ سکے اور نہ روٹی کا مسئلہ حل ہو سکا۔ اٹا اکابر کی آپس کی مفاد پرستانہ کھینچا تانی کے نتیجے میں سیاست کے دائرے میں انتشار و معیشت کے دائرے میں خستہ حالی، نظم و نسق کے دائرے میں خیانت اور بین الاقوامی ماحول میں بے وقربی پیدا ہوئی۔ بالآخر گورنر جنرل کے حسبِ ارشاد دستوری و سیاسی مشینری بالکل ناقابلِ کار ہو کر رہ گئی۔

بہت ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کے ان ہولناک نتائج سے ملک کو نجات دلانے کے لئے گورنر جنرل نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو انتہائی اور آخری قدم اٹھایا جس کی آئینی حیثیت عدالتوں میں زیرِ بحث رہی لیکن بات صاف نہ ہو سکی! اس اقدام نے سابق پیچیدگیاں حل کی ہوں یا نہ کی ہوں، آج ہر شخص کا تاثر یہ ہے کہ بہت سی نئی لانیل پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد نئی پیچیدگیوں سے عہدہ برآہونے کے لئے ۲۴ مارچ ۱۹۷۳ء کو شگین ہنگامی صورت حال کا اعلان ہوتا ہے اور ایک خصوصی فرمان کے ذریعے شخص واحد حاکمیت اور دستور سازی و قانون سازی کے حیدر اختیارات ہاتھ میں لے کر ان کو ایسے محابا آخری قابلِ تصور حد تک عملِ اثر و اثرات ڈالتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دستوری، سیاسی اور قانونی لحاظ سے سارا نظم و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان اصرار پسندانہ اور نجات دہندگانہ کارروائیوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ ملک بعض پہلوؤں سے ۱۹۷۳ء سے قبل کی پیدائش پر جا چکا ہے اور بعض حیثیات سے یہ چھ آٹھ صدیوں پہلے کے دور میں اٹا جا پڑا ہے۔

یہ جائزہ ہم دل کا بخار نکالنے کے لئے نہیں لے رہے اور نہ اس احوال واقعی کے بیان سے اکابر ملک پر اعتراض برائے اعتراض اٹھانا مطلوب ہے۔ ہم سچے جذبہ خیر خواہی کے ساتھ اپنے ان بھائیوں کو ایک بار پھر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ غلطی کا علاج زیادہ بڑی غلطی سے کرتے چلے جانے کا یہ طریق کار معاملات کو بالآخر ایسے کھڑ میں جا کر اسے گاجس سے پھر کوئی اصلاح پسند اور کوئی نجات دہندہ ان کو باہر نہ نکال سکے گا۔ صحیح طریق کار یہ ہوتا ہے کہ غلطی کا ازالہ کسی ایسے اقدام سے کیا جائے جو گاڑی کی غلط راستے سے موڑ کر جلد از جلد دوبارہ صحیح راستے پر ڈال دے !

اب یہ حالت جو سامنے ہے کہ ایک ملک کو مجلس دستور ساز سے محروم کر دیا جائے اور نئی مجلس اس کی جگہ منتخب کر لانے کے بجائے دستور سازی کا اختیار ایک یا چند ایسے افراد کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو خود سابق مجلس سے میا وہ غیر ناسندہ ہوں اپارٹمنٹ کو برطرف کر دیا جائے اور قانون سازی کا حق بلا اثر کتب غیرے ایک عہدہ دار کے بس میں چلا جائے یا ایک صاحب حاکیت ادارہ کے تعطل کے بعد حاکیت کو واپس حرام کے سپرد کرنے کے بجائے اوپر ہی اوپر اپنے تصرف میں لے لیا جائے، کسی صاحب عقل کی نگاہ میں ایک صحت مندانہ حالت نہیں ہے اور کسی غیر صحت مندانہ حالت کے ذریعے اصلاح پیدا نہیں ہو سکتی۔

انسانیت کے صد ہا سال کے تجربہ کے بعد اس حقیقت کو محسوس اور تسلیم کیا ہے کہ اقتدار کا فرد واحد کے ہاتھ میں چرنا خالی اور خطر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ اقتدار کا غیر محدود ہونا لازماً مفسدہ انگیز ہوتا ہے۔ گڈروں انسانوں کی قسمتوں کی باگ ڈور کسی ایک ہفتی ات کے حوالے ہو جانا جبکہ وہ نہ کسی کے مشورہ کی پابند ہو نہ اس کے رستے میں کوئی ٹوڑ بڑ کا وٹ حاصل ہو سکتی ہو اور نہ اس سے بالاتر کوئی طاقت نگرانی کے لئے موجود ہو، ایک ایسا اگر صاحب ابتلاء ہے جس سے اجتماعی زندگی کبھی بھیریت اپنا سفینہ نہیں نکال سکی۔ چنانچہ ہمارے اس دور کی سیاسی سائنس میں چند امور پورے عقلی استدلال اور تجرباتی اعتراف کے ساتھ ایک مستقل حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نگرانی کے اختیارات فرد واحد کے ہاتھوں میں جانے کے بجائے ہمیشہ یوان نمائندگان کے پاس رہنے چاہئیں، یہ کہ ایمان نمائندگان کے چٹنے ہی نئے انتخابات سے اس کے علاوہ جلد از جلد پُر کر لینا چاہئے، یہ کہ اختیارات کو تقسیم کر کے اور پھیلا کے رکھا جانا چاہئے، یہ کہ اختیارات کے استعمال

کا طریقہ ایسا ہوتا ہے کہ پورے سیاسی نظام میں مزاحمتیں (CHECKS) اور توازنات (BALANCES) کام کرتے رہے ہیں تاکہ کوئی ایک اختیار دوسرے اختیار پر چھا جانے کا موقع نہ پائے، یہ کہ ہر ٹرے سے بڑا صاحب منصب اسی طرح دستور و قانون کے ایک ایک شیشے کا تابع اور پابند جو جس طرح ایک معمولی شہری ہوتا ہے، یہ کہ فی الجملہ مشینری اس طرز پر کام کرنے والی ہو کہ رائے عام حکومت پر اثر انداز ہو سکے اور ہر شہری کو قانون کی حدود میں آزادی خیال و عمل پوری طرح حاصل رہے تاکہ وہ سیاست میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔ جمہوریت کی یہ ساری تدبیریں درحقیقت بڑے لمبے تلخ تجربوں کا پتھر ہیں۔ یہ تدبیریں اگرچہ خود تجربے سے گذر کر تکمیلی ارتقاء کر رہی ہیں، لیکن ارتقاء کے معنی یہ ہیں کہ قدم آگے بڑھے، نہ یہ کہ پیچھے پلٹ کر نخل اللہیت اور آمریت کے مرتبہ پر جا کے دم لیا جائے۔ اس دور کے سیاسی نظاموں کی پیچیدگیوں کا حل بادشاہت نخل اللہیت کی فضا میں فرد واحد کے غیر محدود اختیار کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا بلکہ ناگزیر ہے کہ پوری قوم کے فکر و عمل کو جمہوری اصول پر ساتھ لے کر مشترک سعی و کاوش سے مشکلات کی گڑ میں کھولی جائیں۔

جمہوریت کی ساری کی ساری تدبیریں کو کسی پاک سے پاک نیت اور کسی نفیس سے نفیس پروگرام کے ساتھ بھی بنایا نہیں کیا جائے، نتیجہ میں جو چیز رونما ہو گی وہ بادشاہت یا آمریت ہی ہو سکتی ہے جمہوریت کبھی نہیں ہو سکتی۔ پھر بادشاہت و آمریت سے نتائج وہی برآمد ہو سکتے ہیں جو اس کی پیدا کردہ ہیئت سیاسیہ سے ہونے چاہئیں، اس درخت سے جمہوریت کے پھل نہیں آتا۔ جاسکتے۔ ایک یا چند افراد کے غیر محدود اختیار نے دھاندلی، سازش، تشدد اور انتشار کے جو برگ و بار اب تک کی تاریخ میں پیش کئے ہیں، آج بھی اس سے انہی برگ و بار کی امید وابستہ کی جاسکتی ہے۔

یہ گذارشات اگر شرف قبول حاصل کر لیں تو پھر بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ پھر معاً اصلاح و نجات کا راستہ واضح ہو کر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ سیدھا سیدھا راستہ یہ ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو اس ملک میں جمہوریت کی صحت مندانہ فضا کو بحال کر دیا جائے جمہوریت کی بحالی کا طریقہ بھی بالکل نمایاں ہے، یہ کہ ایک تاریخ معین کرا کے عام انتخابات کرائے جائیں اور حوام کو موقع دیا جائے

جائے کہ وہ اپنی پسند کے نمائندوں پر مشتمل مجلس دستور ساز اور مجلس قانون ساز کی تشکیل کریں اگر ایک یونٹ کے لئے مارا مارا کام کر کے بہت جلد ایک نتیجہ پیدا کیا جاسکتا ہے تو یقیناً انتخابات کے لئے بھی ایک تیز رفتار مشینری حرکت میں لائی جاسکتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ انتخابات کرانے اور جمہوریت کو بحال کرنے میں خواہ مخواہ کی تاخیر کی جائے۔

بخلاف اس کے جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کے انعقاد میں جتنی زیادہ تعویق پیدا کی جائے گی اور ہنگامی حالات کی دلیل کے بل پر جتنی زیادہ مدت کے لئے غیر معمولی درجے کے اختیارات ہاتھ میں لے کر استعمال کئے جاتے رہیں گے، چاہے بیٹیں کتنی ہی مقدس اور ارادے کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں، عام لوگوں میں یہ غیر فطری حالت شکوک و شبہات پھیلانے کی اور بددلی و بیزاری بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک یونٹ کے قیام کا کارنامہ بھی اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا۔ کوئی معقول دلیل اس بات کی نہیں دی جاسکتی کہ کیوں ابھی سے جمہوریت کو قائم نہ کر دیا جائے اور کیوں عوام سے ایک نئی دستور یہ کے لئے نمائندے طلب نہ کئے جائیں۔

اس سلسلہ کلام میں ہم ایک بار پھر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اخبار جو کچھ بھی کریں اور سوچیں اس میں دو باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں۔ اس میں ملک اور قوم ہی کا نہیں ان کا اپنا بھی جھلا ہے۔ پہلی بات یہ کہ سلطنتِ خدا واد پاکستان کسی فرد یا طبقے نے اپنے زور و بانہ سے فتح نہیں کی اور نہ اس کا اقتدار کسی کو خاندانی وراثت کے طور پر ملا ہے۔ بخلاف اس کے یہ ایک قوم کی عوامی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے اور اس جدوجہد میں اس کے عام باشندوں نے اپنی جانیں، اپنے خون، اپنے مال اور اپنے ناموس قربان کئے ہیں۔ یہ مملکت اپنی اساس تعمیر کے لحاظ سے عوامی ہے اور جمہوریت کا مزاج بالکل اس کی فطرت میں پیوست ہے۔ اس کی رگ رگ میں یہ شعور عام خون بن کر دوڑ رہا ہے کہ یہ آٹھ کروڑ باشندوں کی تٹاؤں کا گھر ہے۔ ایسی مملکت میں کسی کا اپنی بادشاہت، کا تخت بچانے کسی کا اپنی آمریت کا سکہ چلانے اور کسی کا اسے اپنی جاگیر بنا رکھنے کے درپے ہونا کبھی بھی کوئی نتیجہ خیز نہیں

پیدا کر سکتا۔ قوم چاہے افلاس وادبار کی چکی میں کتنی ہی پس جائے اور جبر و استبداد کے کوہوں میں کیسے ہی اتہام سے پیل دی جائے، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے جمہوری حقوق کے احساس سے خالی ہو جائے۔ پس چاہئے کہ آپ اس قوم کے گھر کو اسی کا گھربان کر اسی کے مقاصد و عزائم کے مطابق اس کا انصرام کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان ایک ایسی مسلم قوم کا دیس ہے جس نے اسے کروڑوں ارضی کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے وجود دلوا یا ہی اس لئے ہے کہ وہ اپنے ایمان و نظریات کے مطابق اس کی حدود میں ایک اسلامی تہذیب و معاشرہ کے قیام کا تجربہ کر سکے۔ اس کی دینی فطرت زور کرتی ہے، اس کی حوصلہ مندانہ تاریخ و باؤ ڈالتی ہے اور مغرب کی خلافت، اسلام فکر و تہذیب کا رد عمل اس سے تضا کر تا ہے کہ وہ اپنی اور اپنی نسلوں اور ساری نوع انسانی کی بھلائی کے لئے اسلام کے نظام امن و عدل کی علمبردار بنے۔ چنانچہ اس کے ارمان اور اس کے حوصلے قرار داد مقاصد کی صورت میں روشنی کا مینار بن کر سامنے آچکے ہیں۔ اب اس قوم کو اس کے عظیم ملی نصب العین سے ہٹانے اور اس کے ایمان و نظریات کے خلاف کسی دوسری جانب اقدام کرنے پر سیاسی ہیل پھیری سے مجبور کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے وہ کبھی اس کا تعاون حاصل نہیں کر سکتی۔ پس گاڑی کو اگر سلامتی سے لے چلنا ہو تو اسے صاف دلی سے اسلام کی پٹری پر ڈال دیجئے جو کتاب و سنت کے دو طرفہ نشانات سے متعین ہوتی ہے۔

ملک کے نجات دہندوں اور اصلاح پسندوں کو کوئی کارخیر سرانجام دینا ہو تو انہیں ان دو باتوں کا پورا پورا لحاظ کرنا چاہئے۔

اس نازک موقع پر یہ بات بڑی خوش آئند اور مبارک ہے کہ ملک کی مختلف دینی جماعتوں اور اداروں کی طرف سے اسلام اور جمہوریت کے حق میں ہم آہنگی سے آواز بلند ہو رہی ہے اور ہر طرف یہ احساس کا فرما نظر آتا ہے کہ ملک و قوم کو آمریت اور لادینی رجحانات کے خطرات سے بچانے

کے لئے کم سے کم دینی عناصر کو اشتراکِ عمل سے کام لینا چاہئے۔ خدا کرے کہ یہ نیک خواہش عمل میں آنے کے لئے بہترین راستہ پیدا کر سکے۔ اس موقع پر ہم ملک کے سیاسی عناصر، خصوصاً لیڈروں، ایم ایل اے حضرات، صحافیوں، وکلاء اور دوسرے ذہین طبقوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنا فرض پہنچائیں اور نجی اور کاروباری اور گروہی مفاد کی خدمت سے کچھ وقت نکال کر اجتماعی فلاح و بہبود سے بھی دلچسپی لیں اور کم سے کم اس دورِ ابتلاء میں اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو درکنار رکھ کر پیش آمدہ پیچیدگیوں پر غور و فکر فرمائیں۔ وہ حکام کو بھی جو بہتر سے بہتر مشورہ دے سکتے ہوں دیں اور عوام کو بھی جو رہنمائی بہم پہنچا سکتے ہوں بہم پہنچائیں۔

پیش کش کے غافل! اگر کوئی عملِ فتنہ میں ہے

یہ سطور کتابت ہو کر طباعتی مراحل میں داخل ہو چکی تھیں کہ فیڈرل کورٹ کے فل پنچ نے ایک اپیل کے سلسلے میں نہایت وسیع الاثر فیصلہ صادر کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ گورنر جنرل کوئی ایسا حکم جاری کرنے یا قدم اٹھانے کے مجاز نہیں ہیں جو دستوری تغیرات پیدا کرنے والا ہو، یہ منصب صرف دستور ساز اسمبلی کا ہے۔ اس فیصلے کی رو سے نئی دستور یہ کا انتخاب کرانے کے لیے بھی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ موجودہ معطل شدہ دستور یہ کا اجلاس طلب کر کے اس کے ذریعے انتخاب کا فیصلہ کیا جائے اور ضروری مشینری بنائی جائے۔ یہ گویا جمہوریت کی بحالی کا راستہ معین ہو گیا کہ موجودہ حکومت اور ارکانِ دستور یہ باہمی افہام و تفہیم سے اس فریضہ کو ادا کریں بلکہ وہ اگر چاہیں تو مرتب شدہ مسودہ دستور کو دو طرفہ رجحانات و ضرور کا جامع بنا کر دو چار ماہ میں نافذ کر دے سکتے ہیں۔ مزید احتیاط کے لیے یہ بات کافی ہوگی کہ اس مسودے کے ذریعے پہلی منتخب مقننہ کو اس میں محدود اکثریت کے ذریعے فراہم کا اختیار دے دیا جائے۔